مولانا عبیداللہ سندھیؒ ایک انقلابی مفکر

*مجیب الرحمٰن

Abstract

Mawlana Ubaid Ullah Sindhi was a great revolutionary personality in sub-continent Indo Pak.

He promoted the thoughts of Shah Wali Ullah in which he was appreciated by his opponents. He gave the concept of Nationalism but different than in HindUism. He always tried to write about the Muslims of Indo Pak and wanted to see them standing on their own feet.

Mawlana wanted to make better the economic situation of Muslims because he considered poverty the major cause of the problem. obejective of his revolutionary message were as under:

1. To Pull down the system of Capitalism.
2. To Balance distribution of wealth.
3. To Consider role of labours in Government.
4. To acknowledge the Necessity of Moral/Character building.

This paper throws light on the above objectives and consider she waliullah the great revolutionary.

*اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، بغدادروڈ بہاولپور

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی برصغیر میں مسلمانوں کے زوال اور غلامی کا ایسا دور شروع ہوا جواب تک جاری ہے گزشتہ تین سو سالہ دور میں کئی جماعتوں اور گروہوں نے اس عظیم ملک کی بہتری و آزادی کے لیے ان تھک محنتیں اور کوششیں کی ہیں۔لیکن جو کام شاہ ولی اللہ کی جماعت نے مسلم تشخص اور دین کی فلاح کے لیے کیا۔اس کی مثال کوئی دوسری جماعت پیش نہیں کرسکتی۔اس جماعت کی کوشش نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔مولانا عبیداللہ سندھی کی شخصیت میں فیضان الٰہی سے علم و عمل،فکر وسیرت،اخلاق وتہذیب کی بے شمار خوبیاں جمع ہوگئی تھیں۔وہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ان کے علم وفکر،سیرت اور خدمات ملت اسلامیہ کی تالیف وتدوین اور شرح وتفسیر علوم وفنون کی جو خوبیاں دنیا پر ظاہر ہوئیں اور اصحاب علم ونظر نے جن کا اعتراف کیا،وہ یہ تھیں کہ مولانا سندھی ایک مستند اور بلند پایہ عالم دین تھے،فقہ وحدیث اور تاریخ عالم واسلام میں ان کی گہری نظر تھی، علوم قرآنی کے وہ بے مثال عالم تھے،وہ بلند پایہ مفسر قرآن تھے اور تفسیر میں ایک خاص انداز ودبستان فکر کے مالک تھے جسے مفکر ملت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے صوفیہ کے طریق تفسیر التعلیل والتعبیر سے مماثل قرار دیا ہے۔وہ حکیم الہند امام ولی اللہ دہلوی کے علوم و معارف کے سب سے بڑے محقق وشارح تھے اور ان کی اس خوبی کا ان کے نکتہ چینوں نے بھی اعتراف کیا ہے۔انہیں ایک بڑی سعادت یہ حاصل تھی کہ وہ بہ واسطہ حضرت شیخ الہند جدید ہندوستان کی سب سے بڑی علمی اور احیائے اسلام وقیام ملت کی عظیم الشان ولی اللّٰہی تحریک سے تعلق رکھتے تھے(1)۔

نام ونسب:

مولانا عبیداللّٰہ سندھی ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء بمطابق ۱۲ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ ضلع سیالکوٹ کے گاؤں چیانوالی میں پیدا ہوئے (اب یہ گاؤں گوجرانوالہ میں شامل ہے اور شہر سے چند میل کے فاصلہ پر ہے)۔آپ کے والد سکھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کا نام بوٹا سنگھ والد کا نام رام سنگھ اور دادا کا نام جیت رائے تھا۔آپ کی پیدائش سے چار ماہ پیشتر ہی آپ کے والد وفات پا چکے تھے۔اس کے دوسال بعد دادا بھی فوت ہوگئے۔مولانا کا کوئی بھائی نہیں تھا۔صرف بہنیں تھیں۔مولانا کی والدہ ساری زندگی سکھ دھرم پر قائم رہیں۔مولانا کی پرورش بڑی ناز ونعم سے ہوئی۔مولانا سندھی اپنی ذاتی ڈائری میں اپنے خاندان کے متعلق لکھتے ہیں:

میں ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیانوالی میں پیدا ہوا۔ ہمارے خاندان کا اصل پیشہ زرگری تھا۔لیکن کچھ عرصہ سے ایک حصّہ سرکاری ملازمت میں شامل ہوگیا اور بعض افراد ساہوکاری بھی کرتے تھے(2)۔

پیدائش کے بارے میں مولانا اپنی ذاتی ڈائری میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں شب جمعہ قبل صبح ۱۲ محرم ۱۲۸۹ھ بمطابق ۱۰مارچ ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوا۔ میرا باپ چار ماہ پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔ دو سال بعد دادا بھی فوت ہوگیا۔تو میری والدہ مجھے ننھیال لے آئی۔ میرے نانا کی ترغیب پر ہی میرا والد سکھ بن گیا تھا(3)۔

اپنے نام کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں کہ:

میں سلمان فارسی کی اتباع میں اپنا نام عبیداللہ بن اسلام لکھا کرتا ہوں ۔مگر بعض عرب دوستوں کے اصرار پر والد کی طرف منسوب کر کے لکھنا پڑا۔تو عبیداللہ بن ابی عائشہ لکھا۔ میری بڑی بہن کا نام جیونی تھا۔ میں نے ارادہ کرلیا کہ اگر کسی نے اس سے زیادہ تصریح کے لیے کہا تو عبیداللہ بن راما بن رائے لکھوں گا۔ میرے دادا کا پورا نام رام سنگھ ولد جیت رائے ولد گلاب رائے ہے (4)۔

ابتدائی تعلیم وقبول اسلام:

ضلع ڈیرہ غازی خاں (یوں تو پنجاب کا ضلع ہے لیکن اس کی سرحدیں سندھ، بلوچستان اور سرحد سے بھی ملتی ہیں) میں اس دور میں اکثر آبادی مسلمانوں کی تھی ۔اس علاقہ میں پیروں ،فقیروں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اورعوام وخاص کوتصوف سے بہت لگاؤ تھا۔صدیوں سے اس زمین میں بڑے بڑے صوفیائے کرام پیدا ہوتے چلے آرہے تھے۔ یہ ماحول تھا جس میں اس بچے نے ماموں کے ہاں ابتدائی تعلیم سکول سے حاصل کی اور اپنی زندگی کے دس بارہ سال گزارے جبکہ دوسری طرف گھر کے چھوٹے بڑے سب مذہباً سکھ تھے۔

جام پور میں (مولانا عبیداللہ سندھی) کا حصولِ تعلیم کے دوران مسلمانوں سے میل جول بڑھتا گیا۔ اور مسلمانوں کی زندگی کا بہت قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اور وہ اسلامی تعلیمات اور معاشرت سے بہت متاثر ہوئے ۔۱۸۸۴ء میں ایک لڑکے (جو کہ ہندو تھا) نے مولانا عبیداللہ سندھی کو

''تحفۃ الہند'' کتاب پڑھنے کے لیے دی۔ اس کتاب نے آپ کو بہت متاثر کیا۔ اس کے بعد آپ نے شاہ اسمٰعیل شہید کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' اور مولوی محمد لکھنوی کی کتاب ''احوال الآخرت'' کا مطالعہ کیا۔

ان کتابوں کے مطالعہ سے متاثر ہو کر مولانا عبیداللہ سندھی نے ۱۸۸۷ء میں جبکہ آپ کی عمر صرف پندرہ برس تھی۔ اسلام قبول کیا۔ اور اپنا نام تحفۃ الہند کے مصنف عبیداللہ کے نام پر عبیداللہ رکھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے فیصلہ کیا کہ وہ ماموں (جام پور) کے گھر سے نکل جائے۔ اس کی اطلاع نہ انہوں نے ماں کو دی، نہ ماموں کو خبر دی۔ انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں کوئی پیچھا نہ کر رہا ہو۔ راستہ میں اسے ماں کی مامتا یاد آئی۔ بہنوں کی محبت بھی پیچھے کی طرف کھینچتی تھی۔ لیکن یہ بچہ برابر آگے بڑھتا گیا۔ اس کے جی میں جو بات سمائی تھی۔ وہ کسی کی محبت اور کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد دین اسلام کی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر سندھ کی طرف چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر اپنے وقت کے بہت بڑے عالم سے تعلیم حاصل کی۔

قبول اسلام کے بعد مولانا کا اعزاز:

سندھ پہنچ کر آپ سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی شریف والوں کے پاس حاضر ہوئے۔ حافظ صاحب نے آپ کی تربیت بہت اچھے انداز سے کی اور ایک دن بھرے مجمع میں فرمایا کہ عبیداللہ نے اللہ کے لیے اپنے ماں باپ کو چھوڑا۔ آج کے بعد ہم اس کے ماں باپ ہیں۔ مولانا سندھی نے سندھ کو اپنا مستقل وطن قرار دیا۔ جس کا اظہار انہوں نے ذاتی ڈائری میں کچھ ان الفاظ میں کیا ہے۔

میں ۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو توکل علی اللہ نکل کھڑا ہوا۔ میرے ساتھ کوٹلاں مغلاں کا ایک رفیق عبدالقادر تھا۔ سندھ کی طرف روانہ ہوئے۔ پھر اس طرح رقمطراز ہیں کہ میں سندھ میں حافظ محمد صدیق بھرچونڈی والے (جو اپنے وقت کے جید اور سید العارفین تھے)۔ چند ماہ ان کی صحبت میں رہا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لیے اس طرح طبیعت ثانیہ بن گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔ حضرت نے ایک دن میرے سامنے اپنے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ عبیداللہ نے اللہ کے

لیے ہمیں اپنا ماں باپ بنایا ہے۔اس کلمہ مبارک کی تاثیر خاص طور پر میرے دل میں محفوظ ہے۔ میں انہیں اپنا باپ سمجھتا ہوں۔اور محض اس لیے سندھ کو اپنا مستقل وطن بنایا(5)۔

مولانا تعلیم حاصل کرنے کے لیے مولانا ابوالسراج غلام محمد کی خدمت میں دین پور (ریاست بہاول پور) میں حاضر ہوئے اور ان سے ''ہدایۃ النحو'' پڑھی۔ کوٹلہ رحیم شاہ میں مولوی خدا بخش سے کافیہ پڑھی۔اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ وہاں پر باقی تمام علوم کی تکمیل کی۔

اپنی ذاتی ڈائری میں مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ:

بھر چونڈی سے رخصت ہو کر میں اس طالب علم کے ساتھ ریاست بہاول پور کی دیہاتی مسجد میں ابتدائی عربی کتابیں پڑھتا رہا۔اس نقل وحرکت میں دین پور پہنچا۔ جہاں سید العارفین کے خلیفہ اوّل مولانا ابوالسراج غلام محمد صاحب رہتے تھے۔ ہدایۃ النحو تک کی کتابیں میں نے یہیں پڑھیں۔ حضرت خلیفہ نے میری والدہ کو خط لکھوایا۔ وہ آ گئیں اور واپس جانے کے لیے بہت زور لگایا۔مگر میں الحمد اللہ ثابت قدم رہا(یہ غلط ہے کہ میری والدہ دیوبند پہنچی)۔شوال ۱۳۰۵ھ میں دین پور متصل خان پور سے کوٹلہ رحیم شاہ چلا آیا۔ اور مولوی خدا بخش سے کافیہ پڑھی۔ یہیں ایک نووارد طالب علم سے (جس کا نام عبدالقادر تھا) ہندوستانی مدارس عربیہ کا حال معلوم ہوا۔ اور میں اسٹیشن مظفر گڑھ سے ریل پر سوار ہو کر سیدھا دیوبند پہنچا''(6)۔

مولانا سندھی نسلاً سندھی نہ تھے صرف ان کی قومیت اختیار کی۔لیکن سرزمین سندھ سے نسبت کو انہوں نے دل کی گہرائیوں سے قبول کیا تھا۔اس لیے انہوں نے سندھی کے لفظ کو اپنے نام کا جزو بنالیا اور یہ لفظ ان کے نام کے ساتھ ایسا چسپاں ہوا۔ پاک و ہند کے کسی گوشہ میں چلے جاتے اور کسی معمولی پڑھے لکھے شخص سے جسے تاریخ آزادی اور اسلامیات کے مطالعہ سے دلچسپی ہو یا عرب وحجاز کا کوئی صاحب علم ہو اگر اس سے پوچھا جائے کہ مولانا سندھی سے کون شخصیت مراد ہے۔تو ہندوستان کے دور دراز عرب و حجاز کی علمی دنیا میں صرف ایک ہی جواب ہو گا کہ مولانا سندھی سے مراد سندھ کے مشہور عالم دین، مفکر، انقلابی، سیاستدان اور فلسفہ ولی اللّٰہی کے سب سے بڑے شارح مولانا عبیداللّٰہ ہیں (7)۔

مولانا عبیداللّٰہ سیالکوٹ (پنجاب) میں پیدا ہوئے لیکن سندھ کی سرزمین سے اپنے آپ کو

نسبت دی (8)۔

گذشتہ تین سو سالوں کے دوران ویسے کئی شخصیات نے انفرادی اور اجتماعی سطح پر برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی اور تہذیبی زوال کو روکنے اور تجدید و اصلاح کے ذریعے ان کے جسد مردہ میں ایمان و یقین کی نئی روح پھونکنے کی کوشش کی لیکن اس فہرست میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نام اور کردار سب سے نمایاں ہے۔ حالات کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں آپ ایک روشن چراغ بن کر ابھرے اور مسلمانان برصغیر کو نئی منزلوں کا سراغ بخشا۔ این خانہ ہمہ آفتاب است کے مصداق آپ کے نامور فرزندوں نے روشنی کا یہ سلسلہ جاری و ساری رکھا۔ پھر چراغ سے چراغ جلا اور سید اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کی قیادت میں تحریک جہاد اس کا نقطہ عروج تھی۔ بالاکوٹ کی پہاڑی چوٹیوں کو اپنے پاکیزہ خون سے ''سرخرو'' کر کے یہ تحریک بظاہر ناکام ہوگئی لیکن غلام دھرتی کے بطن میں وہ حریت اور آزادی کا ایسا بیج بوگئی جو بعدازاں خون شہیداں کی مسلسل آبیاری سے ایک تناور درخت بنا اور برصغیر سے انگریزی تسلط کے خاتمے کا سبب ثابت ہوا۔

1857ء کی ایک بار پھر ناکامی کے باوجود فکر ولی اللہ کا پرچم سرنگوں نہ ہوسکا اور یہ میدان جہاد سے نکل کر دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی فضاؤں میں لہرانے لگا۔ دارالعلوم کی چٹائیوں سے مولانا محمود الحسن کا ایک ایسا شاگردِ رشید اُٹھا جس نے ولی اللھی افکار کو اپنی زندگی کا نصب بنالیا اور خود کو اس مقصد عظیم کے لیے وقف کردیا۔ تاریخ اس شخص کو عبید اللہ سندھی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا عبید اللہ سندھی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

مولانا عبید اللہ سندھی کا نام بچپن سے سنتا آیا تھا۔ ان کے علم و فضل اور مجاہدانہ کارناموں کا ذکر لوگ بڑے جوش و خروش سے کرتے تھے۔ لوگوں کو سن سُن کر دل میں جذبہ اور ولولہ اُٹھتا تھا کہ اے کاش مولانا اس زندگی میں کہیں مل جائیں اور آنکھیں ان کے دیدار سے شادکام ہوں۔ آخر میں دل کی یہ مراد پوری کی اور ۳۹ء میں اچانک سنا کہ مولانا تیس برس کی جلاوطنی کے بعد ہندوستان تشریف لا رہے ہیں اور جہاز سے کراچی اُتر کر دلّی تشریف لائیں گے۔ اب ایک ایک گھڑی گننی شروع کردی اور مولانا کی آمد کا سخت بے چینی سے انتظار ہونے لگا۔ آخر وہ دن بھی آ گیا جب سب لوگ مولانا کے استقبال کے لیے دلی اسٹیشن پر پہنچے۔ علماء اور ملک کے زعما جس طرح رہتے تھے اس کے پیش نظر میں نے اس وقت کی نسبت جو تخیل قائم کیا تھا وہ یہ تھا کہ عمامہ سر پر ہوگا۔ جبہ زیب تن ہوگا۔ فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے ہوں گے۔ ایک خادم کم از کم ضرور ہوگا۔ دو تین بھاری بھاری سوٹ کیس، ایک بھاری بیڈنگ، دو تین

تھرماس کی بوتلیں، تین چار بھاری اوروزنی ناشتہ دان ہوں گے۔ چہرہ پرتمکنت اوروقار ہوگا لیکن جب ٹرین پہنچی تو یہ تمام تخیلات ادہام باطلہ ثابت ہوکر رہ گئے۔ لوگ پلیٹ فارم پر ادھر اُدھر فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کے درجوں میں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں کہ اتنے میں دیکھا ایک صاحب ننگے سر، صرف کھدر کا کرتہ اور پاجامہ پہنے اور ایک سفید چادر گلے میں ڈالے ہوئے، ایک دم میں تھرڈ کلاس سے پُھدک کر پلیٹ فارم پر آ کھڑے ہوئے۔ پہچاننے والوں نے پہچانا اور ان کی طرف لپکے۔ معلوم ہوا کہ یہی مولانا عبیداللہ سندھی ہیں۔ سر اور داڑھی کے بال بالکل سپید تھے۔ عمر ۶۵، ۷۰ سال کے درمیان ہوگی۔ مگر جسم مضبوط اور ٹھکا ہوا۔ آنکھوں میں غیر معمولی چمک، پیشانی پر مجاہدانہ عزم و ہمت کے کس بل، آواز میں طنطنہ اور چہرہ پر بزرگانہ معصومیت کے ساتھ ایک جلال کہ گویا ایک سپاہی ایک میدانِ جنگ سے منتقل ہوکر ایک دوسرے میدان جنگ کی طرف آ گیا اور اس نے ایک دوسرا اور نیا مورچہ سنبھال لیا ہے۔ لوگوں کو تلاش ہوئی کہ مولانا کا سامان اتاریں مگر وہاں سامان کہاں تھا۔ جو کچھ مولانا کے جسم پر تھا بس وہی ان کا سامان تھا(9)۔

دلی پہنچنے کے بعد مولانا نے ابتداً قیام جامعہ طیبہ اسلامیہ کے مہمان خانہ واقع قرول باغ میں کیا تھا۔ یہ جگہ میرے پڑوس میں تھی۔ اس لیے مغرب ۔۔۔ کے بعد اکثر مولانا کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی۔ ایک روز میں مولانا کی خدمت میں حسبِ معمول حاضر ہوا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ جب میں رخصت ہوا تو مولانا بھی ساتھ باتیں کرتے ہوئے کمرہ سے نکل آئے اور سڑک پر کھڑے ہوکر باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک موٹر کار ہمارے پاس آ کر رُکی۔ موٹر کا دروازہ کھلا تو اس میں سے کراچی کے سیٹھ عبداللہ ہارون باہر نکلے۔ انہوں نے مولانا کو سلام کیا اور کہا کہ مولانا کراچی میں ایک ضروری کام ہے جس کی وجہ سے آپ کو میرے ساتھ کراچی چلنا ہوگا۔ مولانا نے پوچھا کب؟ سیٹھ صاحب نے کہا۔ بس ابھی، سیٹھ صاحب کا یہ کہنا تھا کہ مولانا فوراً لپک کر اُن کے ساتھ موٹر میں بیٹھ کر روانہ ہوگئے۔ نہ کمرہ میں واپس گئے اور نہ وہاں سے کوئی چیز لی اور نہ کمرہ کا دروازہ بند کیا۔ میں ان کے اس انداز پر حیران رہ گیا مگر واقعہ یہ ہے کہ مولانا اگر کمرہ میں واپس جاتے بھی تو لیتے کیا۔ وہاں ان کا سامان تھا ہی کیا؟ وہاں جو بستر پڑا ہوا تھا یا کچھ برتن تھے تو وہ جامعہ کے مہمان خانہ کے تھے(10)۔

قرول باغ کے مہمان خانہ میں چند روز قیام فرمانے کے بعد مولانا جامعہ نگر اوکھلا منتقل ہوگئے۔ اس زمانہ میں مولانا کا معمول یہ تھا کہ جمعہ کی نماز پابندی کے ساتھ اوکھلے سے آ کر دلی کی جامع مسجد میں ادا کرتے تھے۔ جامع مسجد کے مغرب جنوب میں حکیم نابینا مرحوم کا مشہور مطب تھا اور اس مطب سے بالکل متصل ہمارے ایک دوست

مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی کا بڑا مکان تھا جس کے ایک وسیع کمرہ ادارہ شرقیہ کے نام سے مولانا موصوف نے ایک تعلیمی ادارہ قائم کرر کھا تھا۔اس ادارہ شرقیہ میں جمعہ کی نماز کے بعد سے لےکر عصر تک احباب کا اچھا خاصہ اجتماع رہتا تھا۔مولانا عبیداللہ سندھی بھی جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر سیدھے یہیں تشریف لاتے تھے اور عصر تک رہتے تھے چندروز کے بعد ہم لوگوں کی درخواست پر مولانا نے اس مجلس میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا درس دینا شروع کردیا۔درس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ کتاب کی کوئی اہم بحث نکال لی اور اس پر تقریر شروع کردی۔تقریر کے ختم ہونے کے بعد ہم لوگ سوالات کرتے تھے اور مولانا ان کے جوابات دیتے تھے۔اس مجلس میں دیوبند کے فضلاء جو دلی میں مقیم تھے وہ اور ان کے علاوہ جامعہ ملیہ کے کچھ اساتذہ اور چند اور ارباب علم شریک ہوتے تھے۔اس سلسلہ میں ایک مرتبہ کیا ہوا؟ مولانا سندھی حسب معمول اوکھلے سے دلی آئے۔جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی اور پھر ادارہ شرقیہ میں تشریف لاکر حسب معمول ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا درس دیا۔اس وقت چہرہ پر نہ تکان کا کوئی اثر تھا اور نہ آواز میں کسی قسم کا اضمحلال اور ضعف۔کمال بشاشت اور توانائی سے تقریر کی اور اس کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا تو اس میں بھی پوری توجہ اور حاضری کے ساتھ حصہ لیا۔اتنے میں عصر کی نماز کا وقت ہوگیا تو ہم سب کے ساتھ نماز ادا کی۔اس کے بعد مولانا رخصت ہوگئے لیکن تھوڑی دیر کے بعد کسی ضرورت سے چتلی قبر کی طرف گیا تو دیکھتا ہوں کہ مولانا ایک بھٹیارو کی دکان پر بیٹھے کھانا کھارہے ہیں۔کھانا بھی بہت معمولی یعنی دو آنہ کا سالن ایک آنہ کی روٹی۔میں نے کہا ''حضرت یہ بے وقت کھانا کیسا''،فرمایا۔''اوکھلے میں کھانا تیار نہ تھا اگر انتظار کرتا تو جامع مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتا تھا اس لیے کھانا کھائے بغیر ہی چلا آیا تھا(11)۔

تاریخی سیاسی منشور

مولانا عبیداللہ سندھی نے بحث ومباحث کے بعد ترمیم کر کے ۱۹۲۴ء میں استنبول (ترکی) میں ہندوستان کی آزادی اور آزاد ہندوستان کی حکومت کے لیے جو پروگرام مرتب کیا تھا۔اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔یہ پروگرام ذیل کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا:

۱۔ ہندوستان کے لیے کامل آزادی حاصل کرنا اور ہندوستان میں ایک وفاقی نظام حکومت قائم کرنا۔

۲۔ ہندوستان میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں اور اسلام کو محفوظ کرنا۔

۳۔ ہندوستان میں محنت کش طبقہ کی یعنی کسان، مزدور اور دماغی کام کرنے والوں کی اکثریت رکھنے والی حکومت قائم کرنا۔ زمینداری اور سرمایہ داری کو ملک سے ختم کر دینا تاکہ کیمونزم کے سبز باغ دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں۔

۴۔ امپیریل ازم کا توڑ کرنے کے لیے ایشیاٹک فیڈریشن بنانا(12)۔

قرآن حکیم کی دعوت عالم گیر انقلاب کی دعوت ہے۔ جس کا تعلق ساری نوع انسانی کے ساتھ ہے۔ کسی معاشرے کی اجتماعی زندگی تین ستونوں پر قائم ہے:

۱۔ سیاسی منہج۔ ۲۔ اقتصادی منہج۔

۳۔ فلسفہ(13)۔

اگر کسی معاشرے کو ایک شخص مان لیا جائے تو سیاست اس کے اجزاء کو آپس میں مربوط کر کے اس کے ڈھانچے کو قائم رکھتی ہے۔ اقتصادیات اسے نشو ونما پہنچاتی ہے اور فلسفہ اس کی معنوی زندگی کی تنظیم کرتا ہے(14)۔

اگر کوئی مخالف طاقت اس معاشرہ پر حملہ کر کے اس کی سیاسی طاقت چھین لے لیکن اس کا اقتصادی ڈھانچہ اور اس کا نظام فکر محفوظ رہے تو وہ اپنی سیاسی شکست کا مداوا کر کے اپنی ہستی از سرِ نو قائم کر سکتا ہے۔ تاریخ اس کی بہت سی مثالیں پیش کرتی ہے۔ افغانستان کی جنگیں اس کی اچھی مثالیں ہیں۔ انگریزوں نے اسے تین مرتبہ (1919,1879,1852) سیاسی اور فوجی شکست دی۔ لیکن اس کی اقتصادی اور فکری طاقت محفوظ رہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ افغانوں نے اپنے آپ کو پھر مضبوط کر لیا۔

لیکن اس معاشرے کی فوجی اور سیاسی شکست کے بعد اس میں اقتصادی بدحالی بھی پیدا کر دی جائے لیکن فکری نظام قائم رہے تو بھی وہ پہلے سے زیادہ محنت کر کے اپنی اقتصادی حالت کی اصلاح اور اپنی سیاسی کمزوری کا مداوا کر سکتا ہے۔ اور اگر سیاسی طاقت اور اقتصادی نظام کے ساتھ ہی اس معاشرہ کا فکری نظام بھی ٹوٹ جائے۔ تو پھر معاشرہ کا زندہ ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسلام جن ملکوں میں اپنی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں داخل ہوا۔ ان ملکوں میں ایران، افغانستان، ترکستان، مصر، شام وغیرہ میں اصل مذہب کا کوئی نام لیوا باقی نہیں رہا۔ اب ان ملکوں کی سیاسی اور اقتصادی طاقت اسلام ہی کی خدمت میں

استعمال ہورہی ہے(15)۔

برصغیر پاک و ہند میں خود ہماری تاریخ اس تاریخی عمل کی ایک مثال ہے۔سترھویں صدی عیسوی میں برعظیم ہند پر مسلمانوں نے قبضہ کیا۔اس زمانے میں یورپی قومیں اس براعظم کی طرف بڑھیں ۔انہوں نے یہاں کی حکمران طاقت کو شکست دینے کے لیے پہلے سیاسی اور اقتصادی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور پھر فکری حملہ کیا۔

سیاسی میدان میں فرانس اور برطانیہ کی آویزش دکن میں شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ انگریزوں نے فرانسیسیوں کو نکال باہر کیا۔۱۸۵۷ء تک سارے ملک پر خود قابض ہو گئے اور مغل حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ ہماری سیاسی اور فوجی شکست تھی۔

اقتصادی میدان میں یورپی قوموں، خصوصًا انگریزوں نے ہماری صنعت وحرفت اور تجارت کو برباد کر دیا۔ ہمارے ملک کی پیداوار کوڑیوں کے مول خرید کر لے گئے اور اپنی مصنوعات سونے کے بھاؤ ہمارے ملک میں ٹھونس دیں۔ رفتہ رفتہ اس برعظیم کی ساری آبادی کو اقتصادی بدحالی میں مبتلا کر دیا۔ یہ ہماری اقتصادی شکست تھی۔

اس پر اکتفا نہ کر کے انگریزوں نے ہم پر فکری حملہ بھی کیا۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے مذہبی افکار میں جو ہماری زندگی کی بنیاد تھے، وسوسے پیدا کرنے شروع کیے۔ یہ ان کا منفی فکری حملہ تھا۔اسی کے ذریعہ انہوں نے ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں اسلامی مذہبی حقائق کے خلاف شکوک پیدا کر کے ان کے یقین کی جڑیں ہلا دیں۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے افکار ایسے انداز میں پیش کیے، کہ ہمارے نوجوان ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے چنانچہ یورپی مادہ پرستانہ سائنس اور فلسفے نے ہمارے نوجوانوں کے افکار میں مزید تزلزل پیدا کر دیا۔ یہ یورپ والوں کا مثبت فکری حملہ تھا(16)۔

اس دوگانہ حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا نوجوان طبقہ مغربی افکار سے مرعوب ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ یورپی طرز سوچنے لگا۔ اور اپنی شخصیت کھو بیٹھا۔لیکن ہم میں سے ایک اہم اقلیت نے اس فکری حملے کو برداشت کر لیا۔ وہ اس کے مقابلے کے لیے ڈٹ گئی۔ اور اس نے رفتہ رفتہ محنت کر کے ۱۹۴۷ء میں انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کیا۔

یہ اقلیت امام ولی اللہ دہلوی کے فکر پر کام کرنے والوں کی ہے اس جماعت کے کارکنوں نے

پہلے ۱۸۲۶ء میں پشاور کومرکز بنا کر کام کرنا شروع کیا اور کوشش کی کہ سکھوں سے پنجاب چھین کر دہلی پر قبضہ کریں اور امام ولی اللہ دہلوی کے فکر پر جمہوریت قائم کریں۔لیکن یہ جماعت ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے حادثے میں شکست کھا گئی اس کے بعد اس کے کارکنوں نے انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنے کے لیے 1915ء میں افغانستان اور ترکی کے فوجی اتحاد کی کوشش کی۔لیکن ان کا پروگرام بھی پورے طور پر کامیاب نہ ہوسکا البتہ وہ انگریزوں کو جزوی شکست دینے میں کامیاب ہوگئی۔اس کے بعد اس پارٹی کے ایک نامور انقلابی کارکن مولانا عبیداللہ سندھی (۱۸۷۲ء،۱۹۴۴ء) نے ۱۹۲۶ء میں استنبول (ترکی) سے تقسیم ہند کا پروگرام شائع کیا۔ جسے یورپ میں خوب اشاعت دی گئی۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ شمال مغربی ہند میں مسلمانوں کی آزاد ریاست قائم کرنے کا تخیل مسلمانوں میں پیدا ہوگیا اور ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی ریاست وجود میں آ گئی۔

یہ ہماری سیاسی فتح ہے۔اب ضرورت ہے کہ ہم تاریخ کے عمل کو الٹ دیں اور فکری نظام پر قائم کی ہوئی مملکت پاکستان کو اقتصادی لحاظ سے مضبوط کریں پھر اسے بین الاقوامی میدان میں غالب کریں۔ اس وقت ہم کہہ سکیں گے کہ ہم نے اسلام (مکمل طور پر) قائم کرلیا۔

اسلام میں کسی قوم کا نظام فکر، اس کے فلسفہ حیات پر مشتمل ہوتا ہے، وہ اس کے افکار میں سے تعارض دور کر کے وحدت فکری پیدا کر دیتا ہے جس سے معاشرے میں وحدت عمل ظاہر ہوتی ہے۔ یہ فکر و عمل کی وحدت ہی اس معاشرے کی نشو ونما اور قوت کا موجد بنتی ہے۔اس کے برخلاف جس معاشرے میں وحدتِ فکری نہ ہو، اس میں انتشار عمل پیدا ہو جاتا ہے اور اندرونی اختلافات اس کی بربادی کا باعث بنتے ہیں(17)۔

مولانا عبیداللہ سندھی کے انقلاب کے مقاصد

سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ:

مولانا عبیداللہ سندھی کے انقلاب کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ کیا جائے کیونکہ ہندو مسلم اختلافات کو ختم کرنے کے لیے بار بار کوششیں کی گئیں۔مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔وجہ یہ ہے کہ مسئلہ کی اہمیت واصلیت پر غور نہیں کیا جاتا۔مولانا سندھی اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے

اندر (ہندو اور مسلمانوں) میں باہمی اختلافات ہیں۔ مسلمانوں میں قومی سوال موجود ہے تو ہندوؤں میں یہ مسئلہ پایا جاتا ہے۔ ان قومی اختلافات کو مذہبی یگانگت بھی نہیں مٹا سکتی۔ مسلمانوں میں پنجابی، سندھی، پٹھان، کشمیری اور بلوچی کا قومی سوال موجود ہے۔ جبکہ ہندوؤں میں بنگالی، مدراسی، مرہٹی، گجراتی و دراوڑی کا مسئلہ پایا جاتا ہے۔

اس طرح برصغیر میں طبقاتی پیچیدگی بھی موجود ہے۔ مالدار و محنت کش، زمیندار و کسان، سرمایہ دار و مزدور کی باہمی کشمکش۔ ہر ایک ہندوستانی قوم کو دو متقابل اور متعارض قوموں میں بہ آسانی تقسیم کر سکتی ہے۔ اس لیے صرف مذہبی بنا پر تمام ہندوستانی مسائل اور خصوصًا ہندو مسلم اختلافات کو حل کرنا کوئی راہ نجات پیدا نہیں کر سکتا۔ مروجہ نظام سرمایہ داری کو ختم کرنے کی ضرورت پر زور دیا لیکن اس کی بجائے کوئی ایسا نظام بھی قبول نہیں کرتے جس میں مذہب کے لیے بالکل کوئی گنجائش نہ ہو اور وہ چھوٹی چھوٹی انفرادی ملکیت کی اجازت نہ دیتا ہو۔ سرمایہ درانہ نظام سے چھٹکارے کے لیے مولانا سندھی نے ایک نیا اقتصادی وسیاسی نظام تجویز کیا۔ اپنی پارٹی کے ممبروں کے لیے جو آزاد ہند کی نئی گورنمنٹ بنائیں گے یہ شرط لگا دی ہے کہ وہ اپنی ذاتی ضروریات اور مصارف کو اپنے ملک کی متوسط زراعت پیشہ آبادی سے زیادہ نہ بڑھائیں۔ تاکہ گورنمنٹ میں سرمایہ داری کو کسی طرح دوبارہ پیدا ہونے کی گنجائش باقی نہ رہے۔

اس وقت جو ہندوستانیوں میں بیرونی تعلقات سے ایک نفرت پائی جاتی تھی وہ عارضی تھی۔ مولانا سندھی نے اپنے مقالہ میں کہ ہماری پارٹی سرداجیہ پارٹی (محنت کش طبقہ کی حمایت کی حفاظت) ہندوستان کے تعلقات خارجیہ بتدریج پیدا کرنے کے لیے سب سے بہتر طریقہ ایشیاٹک فیڈریشن تحریک کو سمجھتی ہے (18)۔

دولت کی مساویانہ تقسیم:

موجودہ تقسیم دولت اور قانون ملکیت اور اس کے عوض ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں انفرادی ملکیت کے بدلے اجتماعی ملکیت کا قانون جاری ہو اور زمین کی پیداوار اور صنعتی مال کو بیچنے کے لیے نہیں بلکہ حسب ضرورت استعمال کے لیے پیدا کیا جائے۔ انقلاب کا یہ پہلو دنیا پر اثر ڈال رہا ہے۔ اگر کیمونسٹ انٹرنیشنل اپنے انتہائی نقطہ نظر میں جلدی کامیاب نہ بھی ہو پھر بھی وہ دنیا میں سیاسی اور اقتصادی

طاقت، محنت کش طبقہ کو دلا کر رہے گی۔

ہندوستان میں محنت کش طبقے کی حکومت کا قیام:

مولانا سندھی واپس لوٹے تو انہیں یہی فکر لاحق رہتی کہ ہندوستانی عوام کیسے منظّم ہوں اور ہندوستان کی فوجی طاقت کس طرح آج کی ضرورتوں کے مطابق مضبوط کی جاسکتی ہے۔مولانا نے اپنے خطبات اور مقالات میں بار بار اسی مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔اس سلسلہ میں سب سے پہلا مسئلہ جس کو حل کیے بغیر مستقبل کی کوئی تدبیر عمل میں نہیں آسکتی۔ ہندوستان میں اجنبی تسلط کا مسئلہ ہے۔ گزشتہ ایک سو برس سے اس ضمن میں جو بھی کوششیں ہوئیں ان سے کبھی بھی خاطر خواہ نتائج نہیں نکل سکے (19)۔

اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہندوستان کے مختلف طبقوں نے اب تک یک خیال اور یک سو ہو کر کبھی اس ملک کو آزاد کرانے کی جدوجہد نہیں کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہندوستانی فوج اور بعض جاگیردار طبقے اٹھے۔لیکن عوام اور متوسط طبقے ان کے ساتھ نہیں تھے۔ یہ عناصر اور متوسط طبقے، مزدور وکسان اکٹھے ہو کر ایک انقلاب لائیں گے۔جس کی رفعت وعظمت کی تاریخ میں شاید ہی کوئی مثال مل سکے (20)۔

اس اصول پر حکومت کے لیے ضروری ہے کہ:

(الف) ملک کے بڑے طبقوں یعنی کاشت کار، مزدور اور دماغی محنت کش کو چھوٹی صنعتوں یعنی زمیندار اور سرمایہ دار کی طرح جمہوری گورنمنٹ کے ہر ایک شعبہ میں نمائندگی کا حق ان کی تعداد کے مطابق دے کر اسے محفوظ کر دیا جائے۔

(ب) اقتصادی نظام مستقل طور پر ایسا قائم کیا جائے جو محنت کش طبقہ یعنی کاشتکار، مزدور اور دماغی محنت کش کو قرض وافلاس سے بچانے کا ضامن ہو۔ اور ملک کو ایسے خارجی قرضہ کا محتاج نہ بنائے جس سے سیاسی آزادی سلب ہونے کا خطرہ پیدا ہو سکے (21)۔

محنت کش طبقہ کی حکومت کے قیام کے لیے پارٹی کی تشکیل:

ہندوستان میں مولانا عبیداللہ سندھی نے محنت کش طبقہ کی حکومت کے قیام کے لیے ایک پارٹی تشکیل دی جس کا نام ''مہابھارت سرد راجیہ پارٹی'' تھا۔اس کے اصول ومقاصد درج ذیل تھے:

۱۔ ہندوستان کی مکمل آزادی حاصل کرنا۔ملک میں جمہوری نظام قائم کرنا۔

۲۔ آزاد ہند کو ملوکیت اور سرمایہ داری سے ہمیشہ کے لیے پاک کرنا اور اسے انسانی سوسائٹی کے لیے ایک نمونہ بنانا۔

۳۔ تمام ہندوستانی اقوام کو نظام توافق (فیڈرل نظام) میں جمع کرنا۔

۴۔ ایشائی اقوام میں ایمپرا طوری اور سرمایہ داری کے خلاف ایک توافق (سرد راجیہ ایشاٹک فیڈریشن) پیدا کرنا۔

۵۔ اقوامِ عالم میں مشرق کو اس کا حق دلوانا(22)۔

فکری تربیت:

مولانا عبیداللّٰہ سندھی مرحوم نے ۱۵ سے ۱۶ برس کی عمر میں اپنا آبائی وطن چھوڑا۔انہوں نے تمام عمر لوگوں کی فکری تربیت کی اور انہوں نے لوگوں کا ذہن بنایا(23)۔

مولانا سندھی مرحوم نے اپنے پہلے سیاسی پروگرام کے مطابق جوانہی کے الفاظ میں ''اسلامی بھی تھا اور انقلابی بھی'' کام شروع کیا اور جماعت بنائی تو اس کا پہلا میدان عمل سندھ تھا۔حضرت شیخ الہند نے ان کے اس کام کو بہت پسند کیا اور انہیں چند ہدایات دیں۔بعض اصلاحات کے بعد اس کا تعلق تحریک اتحاد واسلامی سے جوڑ دیا(24)۔

سندھ کے صاحب استعداد نوجوانوں کی فلسفہ ولی اللہی کے مطابق تعلیم وتربیت کا بیڑہ اٹھایا اور سندھ کو افکار ولی اللہی سے منور کرنے اور اسے خطبہ،علوم ومعارف بنادینے کی کوشش کی(25)۔

اجتماعی قومی تنظیم:

سب سے پہلی کتاب مولانا سندھی کے بارے میں سرور صاحب نے لکھی اس کا نام ''مولانا عبیداللّٰہ سندھی'' ہے۔یہ کتاب سندھ ساگرا اکادمی لاہور نے شائع کی لیکن ۱۹۵۵ء میں اس کی تلخیص ہوئی

اور کتاب کا نام ''تعلیمات مولانا عبیداللہ سندھی'' رکھا گیا۔اس کتاب کے آغاز کے چند الفاظ جو سرور صاحب نے مولانا سندھی کی طرف منسوب کیے ہیں۔نہایت دردناک ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ الفاظ پڑھتے ہوئے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔الفاظ درج ذیل ہیں:

''ایک دن مولانا بڑے مغموم تھے۔فرمانے لگے کہ میں مسلمانوں کو کام کی اور ضرورت کی باتیں کہتا ہوں۔لیکن وہ نہیں سنتے۔ بلکہ مجھے مطعون کرتے ہیں۔ مجھے دیکھو میں سولہ برس کا تھا کہ گھر بار چھوڑ کر نکل آیا تھا۔ مانا کہ میرا خاندان بہت بڑا نہ تھا۔اور نہ ہمارے ہاں دولت کی فراوانی تھی۔لیکن آخر میری ماں تھی، میری بہنیں تھیں اوران کی محبت میرے دل میں جاگزین تھی۔لیکن اسلام سے مجھے اتنی محبت تھی کہ میں کسی محبت کو بھی خاطر میں نہ لایا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ ماں کو چھوڑنے سے کس قدر مجھے ذہنی کوفت ہوئی (یہ کہتے ہوئے مولانا آبدیدہ ہوگئے) آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اسلام میں میری شیفتگی کا نتیجہ تھا کہ جو مجھے اسلام کی بات سمجھاتا اور وہ بات میرے دل میں بیٹھ جاتی تو میں اس کا دل و جان سے گرویدہ ہو جاتا(26)۔

سرور صاحب نے ان الفاظ کو اس لیے لکھا کہ مسلمانوں کو اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا چاہیئے تاکہ مسلمانوں کی صحیح طور پر تنظیم ہو سکے۔

مولانا اس فکر کے حامی ہیں کہ قرآن مجید پوری انسانیت کی بنیادی فکر کا ترجمان ہے۔اور یہ فکر اپنی فطرت میں آفاقی ہے۔تمام مذہبی اصولوں اور قابل قدر انسانی افکار کا خلاصہ ہے۔مولانا عبیداللّٰہ سندھی کے خیال میں قرآن حکیم اسی بنیادی اور خالص فکر آسانی یا ضمیر انسانی کی نمائندگی کرتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں مولانا سندھی پر یہ بات واضح ہوئی کہ قرآن کریم کا اصل مدعا دراصل خالص پاک اور بلند انسانیت کا قیام ہے۔اس مقصد کیلئے جدوجہد کرنا انسانی زندگی کا ایک اعلیٰ ترین مقصد ہے(27)۔

مولانا عبیداللّٰہ سندھی کا انقلابی طریقہ کار

وحدت: (Unity)

مولانا عبیداللّٰہ سندھی نے اپنی تمام زندگی اسلام اور انسانیت کے کاز (Cause) کے لیے

وقف کردی۔مولانا نے انسانی وحدت پر زور دیا۔جبکہ ہم مغربی طرزِ زندگی کو دیکھتے ہیں۔اس کی بنیاد ترک مذہب اور بے مہار طلب آزادی پر ہے۔ایسا لگتا ہے کہ مغربی طرزِ زندگی اپنے نقطہ عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہو چکا ہے۔ علامہ اقبال کی فکر اس مسئلہ میں شاید سب سے بلند ہے اور واضح بھی۔۱۹۳۸ء میں نوروز کے موقع پر لاہور ریڈیو سے ایک تقریر میں فرمایا انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں ہے۔جب تک دنیا کی تعلیمی طاقتیں اپنی توجہ کو احترام انسانیت کے درس پر مرتکز نہ کر دیں۔یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی بنی رہے گی۔وحدت صرف ایک ہی معتبر ہے۔اور وہ بنی نوع انسان کی وحدت ہے۔جو نسل، زبان رنگ اور مقام سے بالاتر ہے(28)۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے تاریخ کے ایک اہم عمل کی طرف ہماری توجہ مبذول کروائی یہ عمل بنی نوع انسان کے لیے زہر قاتل ہے۔کیونکہ یہ انسانی وحدت کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ ایک قوم، ایک مذہب اختیار کرتی ہے۔ابتداء میں یہ خالص حالت میں ہوتا ہے۔مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ثقافت، روایات، زبان اور دیگر طور طریقے اور رسوم و رواج اس کی شکل تبدیل کر دیتے ہیں۔اور یہ ایک مغربی مذہب بن جاتا ہے۔اور اس میں آفاقیت نظر نہیں آتی۔پھر اس قوم کا اصرار ہوتا ہے کہ اس کا یہ قومی مذہب ہی دراصل پوری انسانیت کے لیے نمونہ ہے۔باقی مذاہب درست نہیں۔لیکن یہ داستان یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔یہ قومی مذہب آگے جا کر گروہی اور فرقہ ورانہ مذہب کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح وحدت انسانیت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔قرآن کریم نے اس صورتِ حال سے لوگوں کو آگاہ کر دیا۔توحید کو سب سے اہمیت دے کر انسانوں کو وحدت اور شیرازہ بندی کی طرف بلایا۔

سرور میواتی نے مولانا عبیداللہ سندھی کی خدمات کو اشعار کا جامہ اس طرح پہنایا ہے جس سے ان کے نظریات، خیالات اور انقلاب کی روح واضح طور پر نظر آتی ہے۔

قائد ملت امام انقلاب

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ

قائد ملت، امامِ انقلاب — صاحبِ اوصاف بے حد و حساب
داعی، فکرِ امام دہلوی — مصلحِ امت فقیہہ لا جواب
شارحِ اسرارِ قرآنِ مبیں — دیدہ ور، بالغ نظر، حکمت مآب
پستی امت کے غم کی آگ سے — جس کا سینہ ہو گیا جل کر کباب
حسرت و حرمان کی ظلمت میں جو — بن کے آیا آفتاب و ماہتاب
قوم کے محبوب و منظورِ نظر — دل فروز و دل ربائے شیخ و شاب
زندگی کی ہر مہم میں کامراں — زیست کے ہر مرحلہ میں کامیاب
شیخ سندھی عامل ام الکتاب — رہنما و رہبرِ راہِ صواب
آپ کا ہر فعل ایماں آفریں — روح پرور آپ کا قول و خطاب
باطل و فاسد عقیدے کر دیے — آپ نے سب اشکار و بے نقاب
عمر غربت میں گزاری بہرِ دیں — اور کیا حبِ وطن سے اجتناب
ریشمی رومال کی تحریک میں — کام آیا آپ کا حسن و شباب
ارتقاء و حفظ ملت میں رہے — رنج و غم ان کے ہمیشہ ہم رکاب
چھوڑ کر باطل، کیا حق اختیار — بارک اللہ، ذالک الحسن المآب

عین پیری میں بالآخر ہو گئے
بارگاہِ کبریا میں باریاب (29)

(قائد ملت امام انقلاب۔نظم سرور میواتی لاہور)

حوالہ جات

1۔ ڈاکٹر ابو سلیمان سندھی، مقالات مولانا عبیداللہ سندھی(سیمینار کراچی) مولانا عبیداللہ سندھی اکیڈمی کراچی۱۹۹۴ء،ص۱۷۔

2۔ عبیداللہ سندھی، ذاتی ڈائری، لاہور۱۹۴۶ء،ص۹۔

3۔ ایضاً۔

4۔ ایضاً۔

5۔ ایضاً۔

6۔ ایضاً۔

7۔ ڈاکٹر ابو سلیمان سندھی، مقالات مولانا عبیداللہ سندھی(سیمینار کراچی) مولانا عبیداللہ سندھی اکیڈمی کراچی۱۹۹۴ء،ص۱۲۳۔

8۔ ایضاً

9۔ عبدالرشید ارشد، برصغیر پاک و ہند کے بیس بڑے مسلمان، کلاسک دی مال لاہور،۱۹۶۹ء ،ص۴۱۰۔

10۔ ایضاً

11۔ ایضاً،ص۴۱۱۔

12۔ محمد سرور، خطبات ومقالات، سندھ ساگر اکیڈمی لاہور،۱۹۸۱ء۔

13۔ ایضاً

14۔ قرآنی فکر انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی، مکتبہ حنفیہ، اردو بازار گوجرانوالہ،ص۵۔

15۔ ایضاً،ص۶۔

16۔ ایضاً۔

17۔ ایضاً۔

18۔ ایضاً

19۔ ایضاً

20۔ محمد سرور، خطبات ومقالات مولانا عبیداللہ سندھی، سندھ ساگر اکیڈمی لاہور۱۹۸۷ء،ص۲۵۶۔

21۔ ایضا، ص۲۵۷۔

22۔ ایضاً، ص259-261

23۔ ڈاکٹر ابو سلمان سندھی، مقالات(مولانا عبیداللّٰہ سندھی کی خدمات سندھ،ایک سرسری نظر) مولانا عبیداللّٰہ سندھی اکیڈمی کراچی،۱۹۹۴،ص ۱۲۶۔

24۔ ایضاً، ص۱۲۹۔

25۔ ایضاً، ص۱۵۲۔

26۔ ڈاکٹر ابو سلمان سندھی، مقالات مولانا عبیداللّٰہ سندھی، مولانا عبیداللّٰہ سندھی اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۴ء،ص۲۶۔

27۔ ڈاکٹر ابو سلمان سندھی، مقالات مولانا عبیداللّٰہ سندھی، مولانا عبیداللّٰہ سندھی اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۴ء،ص۳۶۔

28۔ ایضاً، ص۳۸۔

29۔ ایضاً،ص۱۲۔